مکاتیب

(۱)

مکرمی محمد عمار خان ناصر صاحب

السلام علیکم۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

ماہنامہ 'الشریعہ' کا قاری ہونے کے ناطے مجھے یہ لکھنے میں عار نہیں کہ یہ ماہنامہ اپنے نوجوان، توانا فکر کے حامل لکھاریوں کی بدولت قارئین کے لیے ہمیشہ Food for thought فراہم کرتا ہے، خاص کر میاں انعام الرحمٰن کا قلم ''فکر اسلامی کی تشکیل جدید'' کے حوالے سے نیک نیتی سے کوشاں ہے۔ ان کے افکار، خیالات، اسلوب تحریر سے اختلاف واتفاق پڑھنے والوں کا حق ہے مگر نوجوانی میں ان کا جذبہ صادق اور سعی مسلسل دعوت فکر ضرور دیتی ہے۔ ماہ جون کے شمارے میں ان کا مضمون ''دین اسلام کی معاشرتی ترویج میں آرٹ کی اہمیت'' اور جولائی کے شمارے میں ان کی فکر کے محاسبے پر مبنی تحریریں ہی ہیں جن پر میں انعام الرحمٰن کو مبارک باد دینا چاہتا ہوں۔ فکری جمود کے تالاب میں ان کے افکار تازہ کے پھینکے پتھروں سے اٹھنے والی لہریں ہی ان کی کامیابی کا بڑا ثبوت ہیں۔ شہرت یافتہ مورخ ٹائن بی کے خیال میں رسپانس حقیقی چیلنج ہی کو ملتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کی تاریخ کے باطن میں علمی تقاضا پوشیدہ ہے جسے پورا کیے بغیر اس کے وجود اور اس کی حرکت تاریخ کو سمجھنا مشکل ہے۔ تہذیبوں کی تشکیل اور تعمیر میں ان کی جمالیات کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ فی زمانہ آرٹ کے متعلق ایک مصنوعی آفاقیت کا تصور رواج پا گیا ہے۔ جن معاشروں میں اس تصور خاص سے مطابقت رکھنے والی فنی ہیئتیں موجود ہیں، ان پر جمال کشی کا ٹھپہ فوراً لگا دیا جاتا ہے حالانکہ انسان کی تہذیبی فعلیت کی کلی حیثیت کو سمجھنے کے لیے اس امر کا ادراک لازم ہے کہ تہذیب تلافی کے نظام پر اپنی بنیاد رکھتی ہے۔ کمال، کامیابی یا برتری اسی تہذیب کا مقدر ہے جو ادنیٰ ترین درجوں کو قربان کر کے، ان پر زور کم کر کے اعلیٰ ترین عناصر میں فائق ہو۔

روح عصر کا تقاضا ہے کہ ایک نیا فکری نظام جنم لے جس کی جڑیں اسلام کی روایتی فکر میں پیوست ہوں اور جو حقیقی روح اسلام سے کسب نمو کرتی ہو۔ ایسا فکری نظام ابھی تشکیلی دور میں ہے۔ میرے دوست میاں انعام الرحمٰن کے

خیالات کسی درجے میں اسی نظام کی تلاش سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ تلاش خود اسلامی تاریخ کے باطن اور اسلامی تہذیب کے جہان امکان سے پھوٹی ہے۔ ایسے اصولوں اور فکر کا تنقیدی جائزہ و تحقیقی مکالمہ اور مطالعہ ناگزیر ہے جن کے زیر اثر تجدید ملت کا یہ عمل سامنے آ رہا ہے۔ اس میں تہذیب اسلامی کے کثرت آشنا مناظر بھی شامل ہیں اور ادب و آرٹ کے وہ دبستان بھی جنھوں نے صدیوں کے سفر میں اس امت کی نفسیاتی ساخت کی شہادت بھی دی ہے اور جمال کے مظاہر کے ذریعے حقیقت کو اس کے شعور کا حصہ بنا دیا ہے، اسی نے ''امت خیر'' سے وابستہ آرزوؤں کو زندہ رکھا ہے، پروان چڑھایا ہے۔ یہ آرزو ہی ہمارے حال کی عظیم قوت اور مستقبل کے لیے بے مثال محرک عمل ہے۔ T.B Irving نے اپنی کتاب "Islam Resurgent" میں شاید اس لیے لکھا تھا کہ ''اسلام کا ایک بہت عظیم پہلو وہ آفاقی اپیل ہے جو صدیوں کے دائرے میں پوری دنیا کی مختلف النوع اقوام کے لیے ظاہر ہوئی ہے۔ اس مذہب کے باطن میں کوئی ایسا عنصر ہے جس کو ہم وضاحت سے مشخص نہیں کر سکتے لیکن جس نے اسے عرب دنیا سے باہر قابل قبول بنایا ہے۔''

پروفیسر انعام الرحمٰن بجا طور پر شعور نبوت کی راہبری کے طالب ہیں جو تاریخ اسلام میں عباسی دور کی خطابت محض کے غلبے سے پہلے ہی کہیں پیچھے رہ گیا ہے۔ انعام الرحمٰن کے خیال میں انسان اگر حسن پسند بن جائے تو وہ لازماً حقیقی حسن کو ظاہری رنگارنگی کی بجائے اس وحدت میں دیکھے گا جہاں تمام رنگ بغل گیر ہوتے ہیں۔ جی ہاں، شوآن (Schuon) نے کہیں کہا تھا کہ حسن کے عناصر بصری ہوں یا صوتی، سکونی ہوں یا حرکی، سب سے پہلے حقیقی ہوتے ہیں اور ان کی لذت اسی ''حقیقت'' سے مستعار ہوتی ہے۔

آخر میں یہی لکھنا ہے کہ میاں صاحب اسلوب تحریر میں روایت پسندوں پر ''ہتھ ہولا'' رکھیں۔ اصلاح کی کاوش اعتدال پر مبنی ہو تو جلدی کامیاب ہوتی ہے۔ لکھنے کے عمل میں بلندئ فکر آپ کو مبارک ہو، مگر مشہور ادیب محمد حسن عسکری کا ایک قول آپ کی نذر کہ بین السطور آپ سمجھ جائیں گے۔ عسکری کا کہنا ہے ''جدید مغربی ناول نگار زندگی میں خیر کے عنصر کی موجودگی کا انکار تو نہیں کرتے لیکن مطالعہ صرف بدی کا کرتے ہیں۔''

والسلام

پروفیسر شیخ عبدالرشید

شعبہ سیاسیات۔ گورنمنٹ زمیندار کالج

بھمبر روڈ۔ گجرات

24/7/2004

(۲)

مخدوم گرامی قدر حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب مدظلہ العالی